(۷۳) ایضاً،ص۳۹،۴۰

(۷۴) ایضاً،ص۶۴

(۷۵) ایضاً،ص۷۵۔۷۶

(۷۶) ایضاً،ص۷۵۔۷۹

(۷۷) ایضاً،ص۷۹

(۷۸) ایضاً،ص۷۹،۸۰

(۷۹) ایضاً،ص۸۰

(۸۰) ایضاً،ص۹۰

(۸۱) ایضاً،ص۸۸،۸۹

(۸۲) ایضاً،ص۹۰

(۸۳) ایضاً،ص۹۸۔۹۹

(۸۴) ایضاً،ص۱۰۳،۱۰۴

(۸۵) ایضاً،ص۱۱۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسانی حقوق بعد از وفات

(اسلامی تناظر میں ایک جائزہ)

عرفان خالد ڈِھلّوں*

انسان کی تین دنیائیں ہیں: ایک وہ جو رحمِ مادر میں گزارتا ہے، دوسری وہ جو اِس عالم محسوسات میں شب و روز کی صورت میں پاتا ہے اور تیسری وہ جو اِس دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد اخروی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کو پائے گا۔ اسلام نے ان تینوں دنیاؤں میں انسان کو بہت سے حقوق عطا کیے ہیں اور انہیں شرعی و قانونی حیثیت دے کر محفوظ اور یقینی بنا دیا ہے۔ دنیوی زندگی میں انسان دوسروں سے اپنے حقوق ملنے کی توقع رکھتا ہے اور یہ نہ ملنے پر انہیں حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ اپنی پہلی دنیا یعنی رحمِ مادر اور اخروی زندگی ان دونوں ادوار میں حقوق کے حوالے سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان دونوں ادوار میں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے انسان کو کوئی قدرت حاصل نہیں ہوتی، یہ سب اسے ملتے ضرور ہیں۔ قبل از ولادت حقوق کو ادا کرنے میں انسان کے رشتہ دار کافی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے معاملہ بہت ہی مشفقانہ ہے۔ اِن شاء اللہ جنت میں صرف عطا ہی عطا ہوگی، انسان پر کوئی فرض عائد نہیں ہوگا۔

مرنے کے ساتھ ہی انسانی حقوق اس دنیائے رنگ و بو سے ختم نہیں ہوجاتے۔ موت کے بعد اور اخروی زندگی میں دوبارہ زندہ کیے جانے سے پہلے کے درمیانی عرصہ میں بھی انسان کو متعدد حقوق حاصل ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ میں اسی درمیانی عرصہ میں چند اہم انسانی حقوق کا احاطہ اسلامی تناظر میں کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں بعد از وفات انسانی حقوق کی نشاندہی کے لیے قرآن و سنّت کے نصوص پر انحصار کیا گیا ہے۔ ان شرعی نصوص کی تشریح و تعبیر میں فقہاء کرام کی قانونی آراء بھی پیش کی گئی ہیں۔ اسلامی تناظر میں اس تحقیقی کاوش کے نتیجہ میں انسانی حقوق بعد از وفات نکھر کر سامنے آ جائیں گے۔ اس مختصر مقالہ میں تفاصیل میں جانا ممکن نہیں ہے، اس لیے تحقیق کو اہم حقوق اور

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور، پاکستان۔

ضروری مباحث تک محدود رکھا گیا ہے۔

اللہ کی راہ میں مقتول کو مُردہ کہنے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مُردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ اس عالم محسوسات اور دنیائے رنگ و بو میں نہ ہونے کے باوجود، زندہ قرار دیئے گئے ہیں۔اس کی دلیل قرآنی نصوص ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ[البقرۃ۲:۱۵۴]

اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں مُردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔

یہ آیت شہدائے غزوہ بدر (۲ھ) کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ان کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ وہ مر گئے اور اُن سے دنیا کی نعمتیں اور لذتیں دُور ہوگئیں۔اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل کی (۱)۔قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ [آل عمران۳:۱۶۹]

اورتم ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے وہ مُردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

یہ آیت شہدائے غزوہ اُحد (۳ھ) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ یہ آیت شہدائے بِئر مَعُونة (۲) کے متعلق ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ یہ آیت تمام شہداء کے بارے میں آئی ہے(۳)۔

مندرجہ بالا پہلی آیت کے الفاظ ﴿فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے مراد ہے:أی فی طاعته و إعلاء كلمته(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے دین کی سربلندی میں جان قربان کر دینا۔اوپر درج دونوں آیات میں الفاظ ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جانے والے لوگوں کی حیات پر دلیل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿يُرْزَقُوْنَ﴾ کہ انہیں رزق دیا جاتا ہے، رزق زندہ ہی کو دیا جاتا ہے(۵)۔

امام طبریؒ (م۳۱۰ھ) سورت البقرۃ کی آیت ۱۵۴ کی تفسیر میں ''حیاتِ شہید'' کی وضاحت کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله : هو ميت، فإن الميت من خَلقى مَن سلبته حياته واعدمتُه حواسه،فلا يلتذّ لذة ولا يُدرك نعيما(٦)

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو،اس لیے کہ میری مخلوق میں میّت وہ ہے جس کی میں نے زندگی سلب کر لی ہو اور جسے میں نے حواس سے محروم کر دیا ہو۔ پھر وہ کسی لذت و ذائقہ سے لطف اندوز نہ ہو سکے اور نہ کسی نعمت کو پا سکے۔

امام جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) نے لکھا ہے:

فيه أخبار بإحياء الله تعالىٰ الشهداء بعد موتهم ولا يجوز أن يكون المراد أنهم سيحيون يوم القيامة لأنه لو كان هذا مراده لما قال ولكن لا تشعرون لأن قوله ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ أخبار بفقد علمنا بحياتهم بعد الموت(٧) ۔

اس آیت میں یہ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ شہیدوں کی وفات کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کریں گے۔ یہ مراد لینا جائز نہیں ہے کہ شہداء قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اگر یہ مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے: ''لیکن تم سمجھ نہیں سکتے''۔ اس لیے کہ قولِ الٰہی ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ یہ بتاتا ہے کہ بعد از موت شہیدوں کی زندگی کے بارے میں ہمارا علم نہیں ہے۔

زندہ انسان کے مانند میّت محترم

انسانی میّت کا ہر عضو ویسا ہی محترم ہے جیسا ایک زندہ انسان کا عضو۔ میّت کی ہڈی توڑنا، زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کے مترادف ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَسْرُ عِظَامِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِ عَظْمِ الْحَيِّ فِى الإِثْمِ(٨)

مردہ انسان کی ہڈیاں توڑنا زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کی طرح ہی گناہ ہے۔

میّت کا مُثلہ کرنے کی ممانعت:

میّت خواہ دشمن کی ہو، اس کے اعضاء نہیں کاٹے جائیں گے۔ غزوہ اُحد (۳ھ) میں ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید صحابہ کا مُثلہ کرکے ان کے کان اور ناک کاٹ کاٹ کر ان کے ہار اور پازیب بنا رہی تھیں۔ ہند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا جگر چبایا اور اسے نگلنے کی ناکام کوشش کی تھی (۹)۔ انصار نے کہا: اگر کسی دن ہم بھی ان پر ایسے ہی پڑے تو ہم اس سے دوگنا لوگوں کا مثلہ کریں گے (۱۰)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

وَاللّٰهِ لَئِنْ أَظْفَرَنَا اللّٰهُ بِهِمْ يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ لَنُمَثِّلَنَّ بِهِمْ مُثْلَةً لَمْ يُمَثِّلْهَا أَحَدٌ مِنَ الْعَرَبِ(۱۱)

اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کبھی ان قریش پر نصرت و فتح دی تو ہم ان کا ایسا مُثلہ کریں گے کہ عرب میں کسی کا بھی ویسا مثلہ نہیں کیا گیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی باتوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کردیں:

وَ إِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ [النحل۱۶: ۱۲۶-۱۲۷]

اور اگر آپ تکلیف دیں تو اتنی ہی دیں جتنی تکلیف ان سے آپ کو پہنچی ہے۔ اور اگر آپ صبر سے کام لیں تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اور آپ صبر سے کام لیں اور آپ کا صبر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذریعہ ہے اور آپ ان پر غم مت کریں اور نہ آپ ان کے مکر و فریب سے تنگدل ہوں۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا، صبر کیا اور مثلہ کی ممانعت فرمادی (۱۲)۔

حضرت بریدہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بطور امیر لشکر روانہ کرتے وقت جو نصیحتیں فرماتے ان میں یہ بھی شامل ہوتا تھا: وَ لَا تُمَثِّلُوْا وَ لَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا (۱۳) اور مُثلہ نہ کرو اور چھوٹے بچوں کو نہ مارو۔

میّت کی بلاوجہ جراحی کی ممانعت:

میّت کی بلاوجہ چیر پھاڑ نہیں کی جائے گی۔البتہ ضرورت کے تحت ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں چند فقہی آراء دی جارہی ہیں جن سے اس مسئلہ کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

حنفی فقیہ علامہ کاسانیؒ (م۵۸۷ھ) لکھتے ہیں: حاملہ خاتون فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ تڑپ رہا ہے۔اگر غالب رائے کے مطابق وہ بچہ زندہ ہے تو مُردہ ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے گا۔ لأنّا أُبتلينا ببليّتين فنختار أهونهما وشق بطن الأم الميتة أهون من إهلاك الولد الحى (۱۴) ہمیں دو برائیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔لہٰذا اِن دونوں میں سے آسان برائی اختیار کر لی جائے گی۔زندہ بچے کو مار دینے کی نسبت مردہ ماں کا پیٹ چاک کرنا آسان ہے۔ اسی مسئلہ پر علاء الدین سمرقندیؒ (م۵۳۹ھ) نے لکھا ہے: فيه إحياء الآدمى بترك تعظيم الآدمى وترك التعظيم أهون من مباشرة سبب الموت (۱۵) اس میں آدمی کی تعظیم ترک کر دینے سے اس کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔کسی آدمی کی موت کا براہِ راست سبب بننے کی نسبت اس کی تعظم ترک کر دینا آسان ہے۔شافعی فقہاء کے نزدیک اگر غالب گمان یہ ہے کہ بچہ زندہ ہے تو میّت کا پیٹ چاک کیا جائے گا۔لأنه إتلاف جزء من الميت لإبقاء حى فجاز، یہ زندہ کو بچانے کے لیے میّت کے جزو کا نقصان ہے،لہٰذا یہ جائز ہے۔اسی طرح اگر بچہ کا کچھ حصہ باہر آ گیا اور باقی جسم جراحت کے بغیر باہر آنا ممکن نہیں،تو یہ جراحی جائز ہے(۱۶)۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں: میّت کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا۔لیڈی ڈاکٹر اپنی فنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے بچہ نکال لے۔ اگر لیڈی ڈاکٹر دستیاب نہیں تو مرد ڈاکٹر یہ کام نہ کرے۔میّت کو رہنے دیا جائے اور جب بچے کی موت کا یقین ہو جائے تو میّت دفن کر دی جائے۔امام مالکؒ کی رائے بھی قریب قریب یہی ہے۔ عام طور پر ایسا بچہ زندہ نہیں رہتا۔ فلا يجوز هتك حرمة لأمر موهوم،لہٰذا کسی موہوم چیز کی خاطر میّت کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے(۱۷)۔

عضوِ میّت کی بیع ممنوع

عضوِ میّت کی بیع جائز نہیں ہے۔جب عضوِ میّت کی خرید وفروخت منع ہے،تو پوری میّت کی بھی بیع نہیں ہو

سکتی۔قرآن مجید میں ہے:

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا اَحۡيَاءً وَّ اَمۡوَاتًا[المرسلٰت ۷۷:۲۵،۲۶]

کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی، زندوں اور مُردوں کو۔

امام جصاصؒ (م۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی بنایا گیا ہے۔امام شعبیؒ (م۱۰۳ھ) کا قول ہے: أنه جعل ظهرها للأحياء و بطنها للأموات،زمین کی پشت زندہ لوگوں کے لیے ہے اور اس کا پیٹ مُردوں کے لیے ہے۔مجاہدؒ(م۱۰۳ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: تكتف الميت فلا يرى منه شيء وأحياء قال الرجل في بيته لا يرى من عمله شيء، زمین میّت کو سمیٹ لیتی ہے اور اس کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔زمین زندہ لوگوں کو بھی سمیٹی ہے۔ جب ایک شخص اپنے گھر میں ہوتا ہے تو اس کا کوئی عمل باہر والوں کو نظر نہیں آتا۔ یہ اقوال نقل کرنے کے بعد امام جصاصؒ نے اوپر درج آیت کی روشنی میں یہ حکم بیان کیا ہے: وهذا يدل على وجوب مواراة الميت ودفنه ودفن شعره وسائر ما يزاليه و هذا يدل على أن شعره و شيئا من بدنه لا يجوز بيعه ولا التصرف فيه لأن الله قد أوجب دفنه(۱۸) یہ آیت میّت اور اس سے علیحدہ ہونے والی تمام اشیاء کو دفن کردینے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ نیز یہ کہ میّت کے کسی عضو کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔اس کے کسی حصہ کو استعمال میں لانا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دفن کردینا واجب قرار دیا ہے۔

مقتول کے ناحق خون کا بدلہ

اگر ایک انسان ناحق اور عمداً قتل کردیا گیا تو شریعت اسلامیہ اس کا خون رائیگاں نہیں کرتی۔ وہ مقتول کے ورثاء کو اختیار دیتی ہے۔فقیہ ابن رُشد(م۵۹۵ھ) نے لکھا ہے: **فاتفقوا على أن لولي الدم أحد شيئين: القصاص، أو العفو إما على الدية، وإما غير الدية** (۱۹) علماء کا اتفاق ہے کہ خون کے ولی کو دو میں سے ایک حق حاصل ہے: ایک قصاص، اور دوسرا معافی یا تو دِیَت کے ساتھ یا دِیَت کے بغیر۔اس کی دلیل قرآن وسنت کی نصوص ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى الۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى

بِالْأُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [البقرۃ ۲:۱۷۸]

اے جو ایمان لائے ہو! تم پر قتل کے معاملات میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔آزاد کے بدلے آزاد، اور غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت۔پس جسے معاف کر دیا جائے اس کے بھائی یعنی مقتول کے وارث کی طرف سے کچھ چیز، تو چاہیے کہ مقتول کا وارث دستور کے ساتھ خون بہا طلب کرے، اور قاتل کو چاہیے کہ وہ خون بہا اچھی طرح ادا کرے۔تمہارے رب کی طرف سے یہ رعایت اور رحمت ہے۔پس جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اوپر درج آیت کے حصہ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے:
فالعفو أن يقبل الدية فی العمد(۲۰) ''عفو'' یہ ہے کہ قتل عمد میں دِیَت قبول کر لی جائے۔قتل خطا میں بھی مقتول کا خون بہا وصول کیا جائے گا۔قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِناً إِلَّا خَطَأً وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَ دِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلاَّ أَنْ يَّصَّدَّقُوْا [النساء۴:۹۲]

اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے۔جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور خون بہا ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو، مگر یہ کہ وہ خود ہی معاف کر دیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ ہیں:

وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا يُودٰى وَإِمَّا يُقَادُ(۲۱)

جس کا کوئی شخص قتل کر دیا گیا تو اسے دو میں سے ایک کا اختیار ہے: یا اسے خونبہا دیا جائے، یا قصاص لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو قصاص میں قتل کروا کر قرآنی حکم کو عملی جامہ پہنایا۔حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی زیور پہن کر مدینہ میں نکلی۔ایک یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ

کر کچل دیا۔ ابھی وہ زندہ تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار یہودی کا نام لے کرلڑکی سے پوچھا کہ کیا اس یہودی نے اسے قتل کیا ہے۔لڑکی نے دونوں بار انکار میں سر ہلایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار اس یہودی کا نام لے کر پوچھا تو اس لڑکی نے اپنا سر نیچا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو بلایا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اسے قتل کرا دیا(۲۲)۔ حضرت انس بن مالکؓ ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہودی نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا(۲۳)۔

ایک کے قتل میں شریک سب سے قصاص:

ایک فرد کے قتل میں ایک سے زیادہ لوگ شریک قاتل گروہ کے تمام افراد کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ علامہ ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آثار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ولم يُعرف لهم في عصرهم مخالف فكان إجماعا، ان صحابہؓ کے زمانہ میں اس مسئلہ پر ان کی مخالفت معلوم نہیں ہوئی، پس یہ اجماع ہے(۲۴)۔

حضرت عمرؓ نے یمن کے شہر صنعاء کے پانچ یا سات افراد کو ایک شخص کے قتل میں بطور قصاص قتل کرا دیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے یہ فرمایا تھا: والله لو أهل الصنعاء شركوا في قتله لقتلتهم أجمعين، اگر صنعاء کے تمام لوگ اکٹھے ہو کر اس لڑکے کو قتل کرتے تو میں ان سب کو قصاص میں قتل کرا دیتا(۲۵)۔ حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے قاتل گروہ کو قصاص میں قتل کرایا تھا(۲۶)۔

مقتول کا مقرر خون بہا:

دِیَت یعنی ایک انسانی جان کا خونبہا ایک سو اونٹ ہے۔ حضرت عمرو بن حزامؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو لکھا تھا: **وَأَنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَةَ مِائَةٌ مِّنَ الإِبِلِ** (۲۷) اور بیشک ایک جان کے قتل کی دِیَت سو اونٹ ہے۔

مجہول قاتل کی صورت میں خونِ مقتول کا تحفظ:

اگر قاتل نہ ملے اور کسی علاقہ کے لوگوں پر شک ہو، تو خونِ ناحق رائیگاں ہونے سے بچانے اور قاتل کو سزا دینے کے لیے شریعت اسلامیہ نے ایک راہ نکالی ہے۔ اسے قسامت کہتے ہیں۔ اصطلاح میں ایک مخصوص سبب سے، مخصوص تعداد میں، مخصوص شخص کے خلاف جو کہ مدعیٰ علیہ ہے اور مخصوص طریقے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کی

قسم اٹھانا قسامت ہے(۲۸)۔

جمہور فقہاء جن میں امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ)، امام مالکؒ (م۱۷۹ھ)، امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۴ھ)، امام سفیان ثوریؒ (م۱۶۱ھ) اور امام داؤدؒ (م۲۷۰ھ) وغیرہ نے قسامت کی بنیاد پر فیصلہ کو جائز قرار دیا ہے(۲۹)۔ ان کی دلیل حضرت سہل بن ابی حثمہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہلؓ کو کسی نے قتل کر دیا۔ حضرت محیصہؓ، حضرت حویصہ بن مسعودؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہلؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر صورت حال بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں سے فرمایا: أَتَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْناً فَتَسْتَحِقُّوْنَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ، کیا تم پچاس قسمیں اٹھاتے ہو، تاکہ تم اپنے مورث کی دیت یا اپنے قاتل کو لو۔ ان تینوں نے کہا: ہم کیوں قسم اٹھائیں جبکہ ہم قتل کے وقت موجود نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَتُبْرِئُكُمْ يَهُوْدُ بِخَمْسِيْنَ يَمِيْناً، پھر یہود پچاس قسمیں اٹھا کر اس الزام سے بری ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا: ہم کفار کی قسمیں کیونکر قبول کریں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ نے اپنی طرف سے دیت ادا کی(۳۰)۔

احناف کہتے ہیں: اگر کسی محلے میں کوئی مقتول پایا گیا اور قاتل نہ ملا تو اہل محلّہ میں سے پچاس لوگ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہی ہمیں قاتل کا علم ہے۔ اگر وہ قسم اٹھالیں تو ان پر دِیَت عائد کر دی جائے گی(۳۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے فلاں قبیلے میں اپنے بھائی کو مقتول پایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِجْمَعْ مِنْهُمْ خَمْسِيْنَ فَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلُوْهُ وَلَا عَلِمُوْهُ لَهُ قَاتِلاً، ان میں سے پچاس آدمی اکٹھے کرو جو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہیں کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہی وہ اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرا تو صرف یہی بھائی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَلْ لَكَ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، بلکہ تیرے لیے سو اونٹ ہیں(۳۲)۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی علیہ یعنی اہل محلّہ پر قسامت واجب فرمائی ہے۔ یہ حدیث قسامت کے ساتھ ساتھ خونبہا لازم ہونے پر بھی دلیل ہے۔

امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) کا موقف ہے کہ اگر اس علاقے میں قتل کی کوئی علامت جیسے ظاہری دشمنی وغیرہ پائی گئی تو مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں اٹھائیں گے۔ اگر وہ یہ قسمیں اٹھالیں تو مدعیٰ علیہ سے قصاص لیا جائے

گا۔امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کا بھی یہی موقف ہے۔البتہ امام شافعیؒ کے ایک اور قول کے مطابق اس پر خونبہا عائد کر دیا جائے گا(۳۳)۔امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے مدعی پر قسامت واجب ہونے کے لیے حدیث حضرت سہل بن ابی حثمہؓ سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

تابعین سالم بن عبداللہ بن عمرؒ، ابوقلابہؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک قسامت شریعت کے اصولوں سے متصادم ہے۔شریعت کا اصول یہ ہے کہ ایک شخص اسی وقت قسم اٹھائے جب وہ قطعی علم رکھتا ہو یا اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ خون بہا میں قسموں کی تاثیر نہیں ہے۔تیسرا اصول یہ ہے کہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور انکار کرنے والے پر قسم ہے(۳۴)۔احادیث میں یہ نہیں پایا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قسم اٹھوا کر کوئی فیصلہ کیا ہو۔قسامت کا طریقہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں سے نرمی برتی اور خون کے اولیاء سے پوچھا کہ کیا وہ پچاس قسمیں اٹھانے پر تیار ہیں۔انہوں نے کہا: ہم قسمیں کیسے اٹھا سکتے ہیں جبکہ ہم نے واقعہ دیکھا ہی نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر یہود قسمیں اٹھا لیں۔وہ کہنے لگے: ہم کفار کی قسموں پر اعتبار نہیں کرتے۔اگر بغیر مشاہدہ کے محض قسمیں اٹھانے سے فیصلہ کرنے کا دستور ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں ضرور فرماتے کہ یہ دستور ہے۔یہ آثار قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنے پر نص نہیں ہیں، ان میں تاویل کی گنجائش ہے اور اصولوں کے مطابق تاویل کرنا افضل ہے(۳۵)۔

فوت شدہ بچے کا نام

اسلام کسی انسان کو بے نام نہیں رکھنا چاہتا۔اگر کوئی بچہ پیدا ہو کر مر گیا تو اس کا نام رکھا جائے گا۔امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کا قول ہے:**إذا إستهل المولود سُمي**، جب بچہ پیدائش کے بعد چیخ مار کر روئے اور پھر مر جائے، تو اس کا باقاعدہ نام رکھا جائے۔امام محمدؒ (م۱۸۹ھ) اور امام کرخیؒ (م۳۴۰ھ) کے نزدیک اگر بچہ روئے نہیں تو پھر اس کا نام نہ رکھا جائے۔لیکن امام ابویوسفؒ (م۱۸۲ھ) کے مطابق اگر بچہ روئے بغیر مر جائے تب بھی اس کا نام رکھا جائے(۳۶)۔

میّت کو غسل

میّت کو غسل دینا واجب ہے۔یہ نص، اِجماع امت اور قیاس تینوں سے ثابت ہے(۳۷)۔حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔پھر فرشتوں نے آپ کے بیٹے سے کہا تھا: هَذِهِ سُنَّةُ مَوْتَاكُمْ۔ یہ تمہارے

مُردوں کے لیے مسنون طریقہ ہے۔ اس روایت میں لفظ سُنَّۃٌ مطلق یعنی بغیر کسی قید کے آیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں: والسنة المطلقة فی معنی الواجب (۳۸) جب سنت کا ذکر مطلق ہو تو پھر سنت واجب کے معنی میں ہے۔ البتہ یہ واجب کفایہ ہے۔ اگر ایک یا چند لوگ میّت کو غسل دیں تو باقیوں سے یہ واجب ساقط ہو جاتا ہے(۳۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میّت کو غسل دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: ایک شخص عرفہ کے مقام پر اپنی سواری سے گر کر چلا گیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: اغْسِلُوہُ بِمَآءٍ (۴۰) اسے پانی سے غسل دو۔

میّت کو غسل دینے کی حکمت:

میّت کو غسل کیوں دیا جاتا ہے، اس بارے میں امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں: انسان محض اپنی موت سے ناپاک نہیں ہوتا۔ اس پر موت واقع ہونے سے جسمانی اعضاء ڈھیلے پڑ جانے اور عقل ماؤف ہو جانے کی وجہ سے کوئی نہ کوئی ناپاکی لازمی واقع ہو جاتی ہے۔ زندگی میں ناپاک ہو جانے پر کچھ ظاہری اعضاء دھونے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے۔ لیکن وفات کے بعد طہارت کے لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ جسدِ میّت کے کچھ اعضاء دھو لیے جائیں اور کچھ نہ دھوئے جائیں۔ اس لیے پورے بدن کو غسل دینا ضروری ہے۔ لیکن اکثر مشائخ کہتے ہیں: روح نکل جانے سے انسانی جسم ویسے ہی ناپاک ہو جاتا ہے جیسے خون والے دیگر حیوانات۔ غسل کرانے کے بعد انسانی شرف وکرامت کی بنا پر میّت کو پاک قرار دیا جاتا ہے(۴۱)۔

عضوِ میّت کو غسل:

جمہور فقہاء کے مطابق انسانی جسم کا کوئی عضو ملے مثلاً ہاتھ یا پاؤں تو اسے بھی غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ جنگ جمل (۳۶ھ) کے موقع پر کسی پرندے نے ایک انسانی ہاتھ لا کر مکہ میں پھینک دیا تھا۔ اہل مکہ نے ہاتھ کو غسل دیا اور اس پر نماز جنازہ ادا کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہاتھ حضرت طلحہؓ یا عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسیدؓ کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے شام میں انسانی ہڈیوں پر نماز جنازہ ادا کی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے شہداء کے سروں پر نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔ ایسا انسانی ادب واحترام کی بنا پر ہے (۴۲)۔

احناف کا موقف ہے کہ عضو کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ شریعت میں میّت کے غسل کا حکم ہے اور میّت مردہ انسان کے پورے جسم کو کہتے ہیں۔ اگر جسم کا بیشتر حصہ مل جائے تو اسے غسل دیا جائے گا، کیونکہ اکثر حصہ کل شے کے

حکم میں ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقوال ہیں کہ کسی انسان کے محض ایک عضو پر نماز جنازہ نہ ادا کی جائے۔ یہ اقوال اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ عضو انسانی کو غسل بھی نہ دیا جائے کیونکہ غسل نماز جنازہ کے لیے دیا جاتا ہے(۴۳)۔

بغیر غسل کے میّت کی تدفین:

اگر میّت کو غسل دیئے بغیر دفن کر دیا گیا تو امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کہتے ہیں:

وإن دفن من غير غسل أو إلى غير القبلة نبش و غسل ووجه إلا أن يخاف عليه أن يتفسخ فيترك، اگر میّت کو بغیر غسل کے اور بغیر قبلہ رخ کیے دفن کر دیا گیا تو قبر کشائی کر کے اسے غسل دیا جائے گا اور اسے قبلہ رخ لٹایا جائے گا۔لیکن اگر اندیشہ ہو کہ میّت سلامت نہیں ہے تو پھر ایسا نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کی رائے ہے:**لا ينبش لأن النبش مثلة وقد نهى عنها**،قبر کشائی کر کے میّت کو نکالا نہیں جائے گا۔ایسا کرنا مُثلہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے(۴۴)۔

غیر مسلم میّت کو غسل:

غیر مسلم میّت کو غسل دینے کے مسئلہ میں امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) کا قول ہے: **لا يغسل المسلم والده الكافر ولا يقبره، إلا أن يخاف ضياعه فيواريه**،مسلمان اپنے کافر والد کو غسل نہیں دے گا اور نہ اسے قبر میں دفن کرے گا، سوائے اس کے کہ اس کی لاش ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ)اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کے نزدیک: **لا باس بغسل المسلم قرابته من المشركين ودفنه به**، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمان اپنے رشتہ دار کافر کو غسل دے اور اس کی تدفین کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے انتقال پر انہیں غسل دینے کا حکم دیا تھا۔ جو فقہاء غسل کو عبادت سمجھتے ہیں ان کے نزدیک کافر کو غسل دینا جائز نہیں ہے، اور جو اسے محض نظافت و طہارت خیال کرتے ہیں ان کے مطابق کافر کو غسل دینے میں کوئی حرج نہیں ہے(۴۵)۔

غیر مسلم والدین کو غسل دینا اور ان کے کفن دفن کا انتظام کرنا حسن سلوک میں شامل ہے۔ جب حضرت علیؓ کے والد ماجد کی وفات ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: **إِذْهَبْ فَاغْسِلْهُ وَكَفِّنْهُ**، جاؤ اور انہیں غسل دو اور کفن دو۔ حضرت علیؓ نے کہا: یا رسول اللہ! میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **وَمَنْ أَحَقُّ**

بِذَلِكَ مِنْكَ إِذْهَبْ فَاغْسِلْهُ وَكَفِّنْهُ وَجَنِّنْهُ وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي، تم سے زیادہ اس کا کون حقدار ہے، جاؤ اور انہیں غسل دو، کفن دو اور دفن کر دو۔اور میرے پاس آنے تک کسی کو کچھ نہ بتانا۔ پھر میں گیا اور یہ کیا۔جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا:إِذْهَبْ فَاغْتَسِلْ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، جاؤ اور غسل کرو(۴۶)۔

میّت کو برہنہ کرنے کی ممانعت

میّت کو برہنہ کرنا یا اسے برہنہ حالت میں دیکھنا منع ہے۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَبْرِزْ فَخِذَكَ وَ لَا تَنْظُرْ فَخِذَ حَيٍّ وَّ لَا مَيِّتٍ(٤٧)

اپنی ران (کسی کے سامنے) مت کھولو اور نہ ہی کسی زندہ اور مردہ انسان کی ران دیکھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میّت کا ستر دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔جس طرح زندہ انسان کا ستر محترم ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی انسان کی ستر پوشی لازم ہے۔میّت کو غسل دیتے وقت اسے برہنہ کرنے کی ممانعت ہے۔

میّت کے جسمانی راز فاش کرنے کی ممانعت

میّت کو یہ تحفظ دیا گیا ہے کہ اس کے جسمانی راز فاش نہیں جا سکتے۔ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اسے وہ شخص غسل دے جو اس کے جسمانی راز ظاہر نہ کرے۔صرف امین لوگ ہی میّت کو غسل دیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِيَغْسِلْ مَوْتَاكُمُ الْمَامُوْنُوْنَ (۴۸) تمہاری میتوں کو امین لوگ غسل دیں۔

میّت کی جلد تجہیز وتکفین

میّت کی تجہیز وتکفین جلد کی جائے گی۔فقہاء لکھتے ہیں: **ویستحب المسارعة إلى تجهيزه إذا تيقن موته، لأنه أصوب له وأحفظ من أن يتغير وتصعب معافاته** (۴۹) مستحب ہے کہ کسی انسان کی موت کا یقین ہو جانے پر اس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے۔اسی میں میّت کا تحفظ ہے۔امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۴ھ) نے

میّت کی جلد تجہیز وتکفین کو اس کا شرف وکرامت قرار دیا ہے: **كرامة الميت تعجيله** (۵۰)۔

حضرت حُصَیْن بن وَحْوَحؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت طلحہ بن براءؓ بیمار ہوئے تو اُن کی عیادت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو دیکھ کر فرمایا:

إنِّی لأرٰی طَلْحَةَ إلَّا قَدْ حَدَثَ فِيهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُونِی بِهِ وَ عَجِّلُوا فَإنَّهُ لَا يَنْبَغِی لِجِيفَةِ مُسْلِمٍ أنْ تُحبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَی أهْلِهِ(۵۱)

میرا خیال ہے کہ طلحہ پر موت کے آثار طاری ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جب ان کی وفات ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا، کیونکہ کسی مسلمان میّت کے حق میں یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ تجہیز وتکفین کے بغیر اپنے گھر میں پڑی رہے۔

میّت کو کفن دینا

فقہاء نے لکھا ہے: **فوجوبه على سبيل الكفاية قضاء لحق الميت إذا قام به البعض يسقط عن الباقين لأنه حقه صار مقضيا كما فى الغسل**(۵۲) میّت کو کفن دینا واجب کفایہ ہے۔ یہ اس کا حق ہے۔ جب کچھ لوگوں نے میّت کا یہ حق ادا کر دیا تو یہ واجب باقی لوگوں کی طرف سے بھی ادا ہو گیا، جیسا کہ میّت کو غسل دینے کا حکم ہے۔ لیکن اگر استطاعت کے باوجود میّت کو بغیر کفن کے دفن کر دیا تو سب لوگوں نے واجب ادا نہیں کیا، وہ سب گناہگار ہیں۔

میّت کو کفن دینے کی ریاستی ذمہ داری:

اگر میّت نے ترکہ نہیں چھوڑا، اور نہ کوئی شخص کفن کا خرچہ اٹھانے کے لیے تیار ہے، تو کفن دینے کی ذمہ داری ریاست پر ہے۔ میّت کی زندگی میں اس کے نفقہ کی طرح مرنے کے بعد اس کے کفن کے اخراجات ریاست کے خزانے سے پورے ہوں گے۔ علامہ کاسانیؒ (م۵۸۷ھ) نے لکھا ہے: **وإن لم يكن له مال ولا من يُنفق عليه فكفنه فى بيت المال كنفقته فى حال حياته لأنه أعد لحوائج المسلمين**(۵۳) اگر میت کا ذاتی مال نہ ہو، اور نہ ہی کوئی شخص کفن کا خرچہ اٹھائے، تو کفن کے اخراجات ریاست کا خزانہ اٹھائے گا، ویسے ہی جیسے اس کی زندگی میں نفقہ کی ذمہ داری ریاست پر تھی۔ ریاستی خزانہ کا مقصد مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنا ہے۔

بغیر کفن کے میّت دفن کر دینا:

اگر میّت بغیر کفن کے دفن کر دی گئی، تو اس بارے میں دو فقہی آراء ہیں: ایک یہ کہ اسے ایسے ہی رہنے دیا جائے گا، اس لیے کہ کفن کا مقصد میّت کی ستر پوشی ہے جو کہ اسے مٹی میں دفن کر دینے سے پورا ہو گیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قبر کشائی کر کے میّت کو کفن دیا جائے گا، اس لیے کہ کفن دینا واجب ہے۔ پس یہ غسل کے مشابہ ہے(۵۴)۔ اگر کسی نے قبر کھودی اور میّت کا جسم ابھی درست ہے، تو پہلی مرتبہ کی طرح دوبارہ کفن دینا بھی میّت کا حق اور ضروری ہے، جیسے کہ پہلی مرتبہ ضروری تھا(۵۵)۔

کفن کی بے حرمتی قابل سزا جرم:

دفن کرنے سے پہلے اور اس کے بعد دونوں صورتوں میں میّت کے کفن کا احترام لازم ہے۔ کفن کی بے حرمتی اور اسے چوری کرنے والے کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں سزا مقرر کی گئی ہے۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُخْتَفِیَ وَالْمُخْتَفِیَةَ یَعْنِیْ نَبَّاشَ الْقُبُوْرِ (٥٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن چرانے والے مرد اور کفن چرانے والی عورت پر لعنت کی۔

میّت کا کفن چوری کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اخْتَفٰی مَیْتًا فَکَأَنَّمَا قَتَلَہٗ۔

جس نے میّت کا کفن اتار لیا اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔

کفن چوری قابل سزا جرم ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ (م۱۰۱ھ)، امام ابراہیم نخعیؒ (م۹۵ھ)، امام ربیعہ الرائیؒ (م۱۳۶ھ)، امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ)، امام ابن ابی لیلیٰؒ (م۱۸۳ھ)، اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) وغیرہ کا یہ موقف ہے کہ قبر سے کفن چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے عموماً کسی چیز کی حفاظت کی جائے، وہ اس چیز کے لیے حرز یعنی محفوظ جگہ ہے(۵۷)۔ قبر کفن کے لیے حرز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مکحولؒ (م۱۱۳ھ)، امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ)، امام سفیان ثوریؒ (م۱۶۱ھ)، امام اوزاعیؒ (م۱۵۷ھ) وغیرہ کا قول ہے کہ کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسے تعزیری سزا دی جائے گی (۵۸)۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کفن کے لیے قبر حرز یعنی محفوظ جگہ نہیں ہے۔ کفن کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی پر وقف ہوتا ہے۔ امام زہریؒ (م۱۲۳ھ) کا قول ہے کہ مروان بن حکمؒ (م۶۵ھ) کے زمانہ میں جب وہ مدینہ کے حکمران تھے، تمام صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق تھا کہ کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۵۹)۔

میّت پر نماز جنازہ

ہر مسلمان میّت پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ ایک مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں دوسرے لوگ شریک ہوں۔ نماز جنازہ واجب ہے۔ پورا معاشرہ اسے ترک نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کچھ لوگ نماز جنازہ میں شریک ہو جائیں تو یہ باقیوں پر سے ساقط ہو جائے گی۔ یوں نماز جنازہ فرض کفایہ ہے (۶۰)۔
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ الْمُسلِمِ عَلَى الْمُسلِمِ خَمسٌ رَدُّ السَّلاَمِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَإِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ (٦١)

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے پیچھے جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کا جواب دینا۔

متوفی شخص کا یہ بھی حق ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ احادیث میں اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مَيِّتٍ يُصَلِّى عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ أَنْ يَكُونُوا مِائَةً يَشْفَعُونَ إِلاَّ شُفِّعُوا فِيهِ (٦٢)

اگر میّت پر ایک سو مسلمان نمازِ جنازہ ادا کریں اور وہ اس کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت ہو گی۔

ہر نیک و گناہگار مسلمان پر نمازِ جنازہ:

ہر نیک و گناہگار مسلمان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ فقہاء نے لکھا ہے: **ویصلی علی کل عاص کسارق وشارب خمر ومقتول قصاصا أو حدا وغيرهم** (۶۳) ہر گناہگار پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی مثلاً چور، شرابی اور جو قصاص یا حد میں قتل کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ اس کی دلیل حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوا خَلفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ (٦٤)

ہر نیک و گناہگار کے پیچھے نماز ادا کرو، ہر نیک و گناہگار پر نماز جنازہ ادا کرو، اور ہر نیک و گناہگار کے ہمراہ جہاد کرو۔

نامعلوم میّت پر نمازِ جنازہ:

جب میّت کے متعلق یہ علم نہ ہو کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، تو اس کے جسم پر بعض علامات دیکھی جائیں گی مثلاً ختنہ، لباس اور خضاب وغیرہ۔ اگر اس پر ایسی کوئی علامت نہ ہو اور وہ مسلمانوں کے ملک (دارالاسلام) میں ہے تو اس پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ کسی مسلم ملک میں نہیں بلکہ دارالکفر میں ہے تو پھر اس پر نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ **من كان في دار فهو من أهلها يثبت له حكمهم مالم يقم على خلافه دليل** (۶۵) جو شخص جہاں ہے وہ اسی کے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس شخص کے لیے انہیں کا حکم ثابت ہوتا ہے، جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

جنین پر نمازِ جنازہ:

جنین پر نمازِ جنازہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا موقف ہے کہ جب جنین اتنی عمر، یعنی چار ماہ یا اس سے زائد کا ہو گیا، اس میں روح پھونک دی گئی تو اس پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ اگر بچہ حرکت کرے تو وہ زندہ ہے اور اس پر عام مسلمانوں کا حکم نافذ ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **الطِّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ** (٦٦) بچے پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کے مطابق اگر بچے کے رونے کی آواز سنائی دے تو اس پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں (٦٧)۔ انہوں نے حضرت جابرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَ وُرِّثَ (۶۸) جب بچہ پیدائش کے بعد روئے اور پھر مر جائے تو اس پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی اور وہ وراثت کا حقدار بھی ہے۔

نومولود میّت پر نمازِ جنازہ:

مردہ نومولود پر نمازِ جنازہ نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچہ پیدائش کے بعد روئے اور پھر مر جائے تو اس پر نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ لہٰذا جو پیدائش کے وقت روئے بغیر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔ استہلال یعنی پیدائش کے وقت رونا زندگی پر دلالت کرتا ہے (۶۹)۔

نمازِ جنازہ کون پڑھائے:

میّت کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق اسے حاصل ہے جس کے متعلق میّت نے وصیت کی ہو۔ میّت کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے لکھا ہے: وأحق الناس بالصلوة عليه من أوصى له أن يصلى عليه (۷۰) نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حق اسے ہے جس کے لیے میّت نے وصیت کی ہو کہ وہ اس پر نماز جنازہ پڑھائے۔ اگر ممکن ہو تو انسان کو چاہیے کہ وہ وصیت کر جائے کہ فلاں شخص اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔ ایسا عمل صحابہؓ سے ثابت ہے، مثلاً: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت عمرؓ پڑھائیں، حضرت عمرؓ نے حضرت صہیبؓ، حضرت ام سلمہؓ نے حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابوبرزہؓ، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت زبیر بن عوامؓ کے لیے وصیتیں کی تھیں کہ یہ حضرات ان کی نماز جنازہ پڑھائیں (۷۱)۔

جنازہ لے جانے میں جلدی

مستحب یہ ہے کہ میّت کا جنازہ لے جانے میں جلدی کی جائے۔ ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: **لاخلاف بين الأئمه فى استحباب الإسراع بالجنازة، و به ورد النص**، ائمہ فقہاء کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جنازہ جلدی لے جانا مستحب ہے (۷۲)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ فَإِنْ تَكُ صَالِحَةٌ فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ وَ إِنْ تَكُ غَيْرَ ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ

عَنْ رِّقَابِکُمْ (۷۳)

جنازہ لے جانے میں جلدی کرو۔ اس لیے کہ اگر فوت ہونے والا شخص نیک ہے تو اسے بھلائی اور خیر کی طرف لے کر جاؤ گے اور اگر وہ شخص بد ہے تو اسے اپنے کاندھوں سے اتارو گے۔

تدفین کا وقت

اگر کوئی عذر نہ ہو تو میّت کو دن کے وقت دفن کیا جائے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُدْفِنُوا مَوْتَاکُمْ بِاللَّیلِ إِلَّا أَنْ تَضْطَرُّوا (۷۴)

اپنے فوت شدگان کو رات کے وقت دفن مت کرو، سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری ہو۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا اور ایک صحابی کا ذکر کیا جن کی وفات ہو گئی تھی۔ صحابی کو ایسا کفن دیا گیا جس سے ستر پوشی نہیں ہو رہی تھی اور صحابی کو رات کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ڈانٹا کہ ہم نے صحابی کو رات کے وقت دفن کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نمازِ جنازہ نہ ادا کر سکے۔ اگر کوئی مجبوری ہے تو رات کو دفن کیا جا سکتا ہے (۷۵)۔

امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اظہارِ ناراضی فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے وقت دفن کرنے کی صورت میں نمازیوں کی تعداد کم ہوتی ہے (۷۶)۔ زیادہ لوگ نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو وفات پانے والے شخص کو رات کے بجائے دن کے وقت دفن کیا جائے۔

زمین میں میّت کی تدفین:

میّت کو زمین میں دفن کیا جائے۔ بنی آدم میں پہلی میّت حضرت ہابیل علیہ السلام کی تھی جنہیں آپ کے بڑے بھائی قابیل نے ناحق قتل کر دیا تھا۔ تاریخ کا واحد اور مستند ترین ذریعہ وحی ہے۔ یہ وحی کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہے۔ قرآن مجید کی سورت المائدۃ کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قتل کرنے کے بعد قابیل کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کے ساتھ کیا کرے۔ قرآن مجید بتاتا ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِى الۡاَرۡضِ لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِىۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ ؕ قَالَ يٰوَيۡلَتٰۤى اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِثۡلَ هٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوۡءَةَ اَخِىۡ ۚ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِيۡنَ[المائدة۵: ۳۱]

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ وہ کہنے لگا: ہائے افسوس! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

یوں وحی بتاتی ہے کہ پہلی انسانی میّت کو زمین میں دفن کیا گیا تھا۔ پھر انسانوں نے اپنے فوت شدگان کو سپردِ خاک کرنا شروع کر دیا۔ یہی طریقہ فطری ہے۔ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ مٹی سے پیدا کیا گیا انسان مٹی ہی میں چلا جاتا ہے۔

کشادہ اور لحدی قبر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میّت کی تدفین کے لیے زمین میں کشادہ اور لحدی یعنی بغلی قبر کی ہدایت فرمائی ہے۔ ہشام بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احۡفِرُوۡا و اوۡسِعُوۡا وَ احۡسِنُوۡا (۷۷) قبر کو خوب کھودو، کشادہ کرو اور اچھی بناؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللَّحۡدُ لَنَا وَ الشَّقُّ لِغَيۡرِنَا (۷۸) لحدی یعنی بغلی قبر ہمارے لیے اور سیدھی قبر دوسروں کے لیے ہے۔

احناف کے مطابق لحدی قبر مسنون ہے، یعنی قبر کھودنے کے بعد اس کے اندر نیچے قبلہ کی طرف ایک اور گڑھا کھودا جائے اور اس میں میّت رکھ دی جائے۔ امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کہتے ہیں کہ قبر میں لحد بنانے کے بجائے قبر میں شق کیا جائے یعنی قبر کے درمیان میں نہر کے مانند کھود لیا جائے اور اُس میں میّت کو رکھا جائے۔ مدینہ کے لوگوں میں شق کا رواج تھا(۷۹)۔

حنفی فقیہ علامہ کاسانیؒ (م۵۸۷ھ) نے بیان کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر لحد یا شق والی قبر تیار کرنے پر اختلاف ہوا۔ مدینہ میں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ لحدی قبر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ شق والی قبر تیار کرتے تھے۔ ان دونوں کی طرف لوگ بھیجے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دعا

فرمائی:**اللهم خِرْ لنبيك أحب الأمرين**، اے اللہ! اپنے نبی کے لیے دونوں میں سے بہتر طریق اختیار فرما۔حضرت ابوطلحہؓ اپنے گھر میں مل گئے تھے اور حضرت ابوعبیدہؓ نہ ملے۔مزید یہ کہ مدینہ میں شق کا دستور اس لیے تھا کیونکہ جنت البقیع کی زمین نرم تھی۔ نرم زمین ہونے کی وجہ سے لحد بنانا مشکل ہوتا ہے(۸۰)۔یوں قبر دونوں صورتوں میں تیار کی جاسکتی ہے۔ اگر زمین اچھی ہے تو لحدی قبر تیار کر لی جائے، اور اگر زمین نرم ہے تو پھر لحد کھودنا مشکل ہوتا ہے اس لیے شق یعنی صندوقی قبر تیار کر لی جائے۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ میّت کو سمتِ قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے(۸۱)۔روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودجانہؓ کی میّت کو سمتِ قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا تھا۔امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کی رائے ہے کہ میّت کو قبر میں ''سل'' کے طریقہ سے داخل کیا جائے۔اس صورت میں چارپائی کو قبر کی داہنی طرف رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر لمبائی کے رخ میّت کا سر قبر میں پاؤں کی جگہ پر رکھ کر میت نیچے اتاری جائے گی۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں ''سل'' کے طریقہ سے اتارا گیا تھا۔

احناف کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو''سل'' کے طریقہ سے بضرورت اتارا گیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے کمرے میں دیوار کی جانب وصال فرمایا تھا۔انبیاء کرام جہاں وفات پاتے ہیں انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی حضرت عائشہؓ کے کمرے میں دیوار کے بالکل قریب بنائی گئی تھی۔قبر کی لحد دیوار کے بالکل نیچے کھودی گئی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمتِ قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارنا مشکل تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو''سل'' کے طریقہ سے قبر مبارک میں اتارا گیا تھا(۸۲)۔

قبر پر بیٹھنے کی ممانعت

قبر پر بیٹھنے، اس سے ٹیک لگانے اور اس پر چلنے کی ممانعت ہے۔ایسا کرنے سے میّت اور قبر دونوں کی تذلیل ہے۔علامہ ابن قدامہؒ (م۶۲۰ھ) نے لکھا ہے: **ويكره الجلوس على قبره والإتكاء عليه والإستناد إليه والمشي عليه**(۸۳) قبر پر بیٹھنا، اس سے تکیہ لگانا، اس سے ٹیک لگانا اور اس پر چلنا مکروہ ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاَنْ يَّجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحَرِّقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ

عَلَى قَبْرٍ (٨٤)

تم میں سے کوئی ایک انگارے پر بیٹھے، اس کے کپڑے جل جائیں اور (انگارے کا اثر) اس کی کھال تک پہنچے تو بھی یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔

حضرت ابومرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجلِسُوا عَلَى القُبُورِ وَ لَا تُصَلُّوا إِلَيهَا (٨٥)

قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف نماز نہ ادا کرو۔

ان احادیث میں قبور پر بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ دوسری طرف وہ روایات ہیں جن سے قبر پر بیٹھنے کا جواز ملتا ہے۔ حضرت علیؓ قبروں کے ساتھ تکیہ لگاتے اور اُن پر لیٹ جاتے تھے(۸۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ قبروں پر بیٹھا کرتے تھے(۸۷)۔ امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ)، امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کا مسلک یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنے کی اجازت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب یا پاخانہ کی خاطر قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت زید بن ثابت کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ جَلَسَ عَلٰى قَبْرٍ يَبُوْلُ أَوْ يَتَغَوَّطُ فَكَأَنَّمَا جَلَسَ عَلٰى جَمْرَةِ نَارٍ۔ جو شخص پیشاب یا پاخانہ کے لیے کسی قبر پر بیٹھتا ہے گویا وہ آگ کے انگارے پر بیٹھتا ہے(۸۸)۔ امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) کا موقف ہے کہ قبروں پر بیٹھنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ رفع حاجت کی غرض سے ان پر بیٹھنے کی ہے(۸۹)۔

میّت کے حق میں اظہارِ سوگ

کسی کی وفات پر اظہارِ سوگ اس سے محبت کا اظہار ہے۔ اپنوں کی وفات پر غم ظاہر کرنا اور سوگ منانا ایک فطری جذبہ ہے۔ شریعت اسلامیہ انسان کے فطری جذبات کو کچلتی نہیں ہے۔ احکامِ شریعت ان جذبات کے اظہار کو مناسب طریقہ فراہم کرتے ہیں تا کہ انسان اس معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار نہ ہو جائے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی جان دے رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا ابْنَ

عَوْفٍ! إِنَّهَا رَحْمَةٌ، اے ابن عوف! یہ تو رحمت وشفقت ہے۔ پھر آپ تشریف لائے اور فرمایا:

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ(۹۰)

بیشک آنکھ روتی اور دل غمگین ہے۔ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہے۔اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی میں غمگین ہیں۔

حضرت اُم عطیہؓ سے روایت ہے: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے(۹۱)۔

لہٰذا میّت کے حق میں غمِ جدائی کا اظہار آنکھ اور دل سے کیا جا سکتا ہے، لیکن زبان سے نہیں۔زبان سے چیخنا، چلانا، شور مچانا اور شکایات کرنا منع ہے۔اس غم کی مدت کا تعین کر دیا گیا ہے۔میّت کے حق میں سوگ تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے، البتہ شوہر کی وفات پر بیوہ کو چار ماہ دس دن سوگ کا حکم ہے۔حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب ملکِ شام سے حضرت ابوسفیانؓ کی وفات کی خبر ملی تو آپ کی بیٹی حضرت اُم حبیبہؓ نے تیسرے دن زردی منگوائی، اسے اپنے رخساروں اور ہاتھوں پر ملا اور کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا:

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا (۹۲)

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میّت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اس کے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

متوفی کو بُرا کہنے کی ممانعت

فوت شدہ شخص کو بُرا کہنے کی ممانعت ہے۔ یہ تعلیم دی گئی ہے کہ فوت شدگان کی بھلائیوں اور نیکیوں کا تذکرہ کیا جائے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوْا (۹۳)

فوت شدگان کو بُرا مت کہو کیونکہ وہ تو اپنے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَ كُفُّوْ عَنْ مَسَاوِيْهِمْ(۹۴)

اپنے فوت شدگان کی بھلائیوں کا ذکر کرو اور ان کی برائیوں سے باز رہو۔

متوفی کے لیے دعائے مغفرت

فوت شدگان کا یہ حق ہے کہ دنیا والے ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ قبرستان جا کر فوت شدگان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب کے ذریعے یہ حکم مسلمانوں کو ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ (۹۵)

پھر جبریلؑ نے کہا: آپ کا پروردگار آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع جائیں اور ان کے لیے مغفرت مانگیں۔

اولاد کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرحومین کے حق میں دعا کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مَنْ ثَلَاثَةٍ: مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ(۹۶)

انسان فوت ہو جائے تو اس کا عمل رک جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اسے پہنچتا رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ علم جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں اور تیسرا اس کے نیک بچے کی دعا جو وہ اس کے لیے کرتا ہے۔

میّت کی طرف سے صدقہ دینا

میّت کی طرف سے صدقہ دینا مستحب ہے۔ لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے فوت شدگان کی طرف سے صدقہ دیں۔ یہ عمل کرنے والے اور میّت دونوں کو اس کا ثواب ملے گا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اس کی والدہ اچانک وفات پا گئی ہے۔ اسے گمان ہے کہ اگر اس کی والدہ گفتگو کرتی تو صدقہ کرتی۔ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے ثواب ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (۹۷)۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اس کا والد ترکہ میں مال چھوڑ کر فوت ہو گیا ہے اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی۔ اگر وہ اپنے والد کی طرف سے صدقہ کرے تو کیا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (۹۸)۔

امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) نے لکھا ہے: یہ حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ میّت کی طرف سے صدقہ دینا مستحب ہے اور میّت اور صدقہ دینے والا دونوں کو ثواب ملتا ہے۔ ان احادیث سے اس قرآنی آیت کی تخصیص ہوتی ہے: وَأَنْ لَيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلاَّ مَا سَعَى [النجم۵۳: ۳۹] اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ امام نوویؒ مزید لکھتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ میّت کی طرف سے صدقہ دینا وارث پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہے (۹۹)۔ یہ ثابت ہوا کہ دعا کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح صدقہ اور ادائیگی قرض کا ثواب بھی میّت کو پہنچتا ہے اور اس پر اجماع ہے (۱۰۰)۔

میّت پر قرض کی ادائیگی

اگر میّت کے ذمہ کوئی قرض ہے تو اسے ادا کیا جائے گا۔ قرض کی ادائیگی اتنی اہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقروض میّت پر نمازِ جنازہ ادا نہیں کرتے تھے۔ اگر اس کی طرف سے قرض ادا کر دیا جاتا، یا کوئی دوسرا شخص میّت کی طرف سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لے لیتا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز جنازہ ادا فرماتے تھے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی پر قرض ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نمازِ جنازہ نہیں ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک میّت لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس کے ذمہ کوئی قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، اس پر دو دینار قرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی پر نمازِ جنازہ ادا کر لو۔ حضرت

ابوقتادہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں وہ دو دینار ادا کردوں گا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ میّت کے ذمہ قرض کی ادائیگی اتنی اہم ہے کہ یہ میّت کی وصیت پر مقدم ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، حالانکہ تم قرآن میں وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو(۱۰۱)۔

قرآن مجید کی سورت النساء آیت ۱۱ میں ورثاء کے حصے مفصل درج ہیں۔ ان حصوں کا ذکر کرنے کے بعد آیت کے الفاظ ہیں: مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ [النساء۴: ۱۱]، یعنی یہ تقسیمِ ترکہ، میّت کی وصیت نافذ ہونے کے بعد یا قرض ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو، عمل میں آئے گی۔ اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ میّت کی وصیت اور اس کے ذمہ قرض کی ادیئگی کے بعد وارثوں میں ترکہ تقسیم کیا جائے۔ یہاں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے ہے۔ ایسا آیت کی قراءت میں ہے۔ لیکن آیت پر عمل میں قرض کی ادائیگی پہلے ہوگی، پھر وصیت نافذ ہو گی۔

میّت کا قرض ادا کرنے میں جلدی کی جائے گی۔ جب تک میّت کے ذمہ قرض ادا نہیں ہو جاتا، اس کی جان معلق رہتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَفۡسُ الۡمُومِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيۡنِهِ حَتّٰى يُقۡضٰى عَنۡهُ (۱۰۲)

مومن کی جان اس پر قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے، جب تک کہ کوئی شخص اس کی طرف سے یہ قرض ادا نہ کردے۔

ادائیگی قرض کی آخری ذمہ داری ریاست پر:

اگر میّت کے ترکہ سے قرض ادا نہ کیا جا سکے، کوئی اور شخص میّت کی طرف سے یہ قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہ لے، اور نہ ہی قرض خواہ اپنا قرض معاف کرے، تو پھر اسلامی ریاست کے بیت المال سے یہ قرض ادا کیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا أَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ فَمَنۡ مَاتَ وَ عَلَيۡهِ دَيۡنٌ وَ لَمۡ يَتۡرُكۡ وَفَآءً فَعَلَيۡنَا قَضَاؤُهُ وَ مَنۡ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ(۱۰۳)

میں مومنوں کی خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ انہیں دوست رکھتا ہوں۔ پس جو اِس حالت میں فوت ہوا کہ وہ مقروض تھا اور اتنا مال نہ چھوڑا جو اُس کا قرض ادا کر سکے تو اس قرض کی ادائیگی ہم پر ہے، اور جو مال چھوڑ کر فوت ہو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔

میّت کے فوت شدہ فرض کی ادائیگی

اگر کوئی شخص ایسے وقت میں فوت ہوا کہ فرض عبادات مثلاً فرض نماز، رمضان کے روزے وغیرہ میں سے کسی کی ادا اُس پر لازم ہوگئی تھی لیکن وہ اسے ادا نہ کر سکا، تو ورثاء اس کی طرف سے یہ فرض ادا کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ اس کی ماں مرگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے تھے، کیا وہ اس کی قضا رکھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا: لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكَ دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيهِ عَنْهَا، اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم کیا اسے ادا کرتے؟ اس شخص نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَدَيْنُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى (۱۰۴) اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق دار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

میّت کی نذر پوری کرنا

اگر میّت نے اپنی زندگی میں کوئی نذر مانی تھی جسے وہ پورا نہ کر سکا، تو اس کی نذر پوری کی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کی والدہ نے ایک نذر مانی تھی جسے پورا کرنے سے قبل ہی وہ فوت ہوگئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقْضِهِ عَنْهَا، تم اپنی والدہ کی طرف سے وہ نذر پوری کرو (۱۰۵)۔

میّت کا حقِ وراثت:

اگر میّت کو کسی جانب سے وراثت ملتی ہے تو اسے وہ حق دلوایا جائے گا۔ فقہاء نے لکھا ہے: اگر ولادت کے بعد بچہ روئے اور پھر مر جائے تو وہ وارث قرار پائے گا اور ترکہ میں سے اس کا حصہ نکالا جائے گا (۱۰۶)۔ اس کی دلیل حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَ وُرِّثَ (۱۰۷) جب بچہ پیدائش کے بعد روئے اور پھر مر جائے تو اس پر

نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ وراثت کا حق دار بھی ہے۔

لاوارث میّت کے ترکہ کا تحفظ

لاوارث میّت کے ترکہ کی حفاظت کی جائے گی۔ اسے ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ حضرت بُریدہؓ سے روایت ہے کہ بنوخزاعہ کا ایک شخص فوت ہوگیا۔اس کی وراثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اِلْتَمِسُوْا لَهُ وَارِثًا أَوْ ذَا رَحِمٍ**،اس کے وارث کو تلاش کرو، یا جو اس کے ذوی الأرحام میں سے ہو اسے ڈھونڈو۔ مگر اس کا وارث یا کوئی ذوی الارحام نہ ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَعْطُوْهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةِ**،خزاعہ میں جو بڑا ہے،اسے ترکہ دے دو(۱۰۸)۔

بلا وجہ قبر کشائی کی ممانعت

بلا وجہ قبر کشائی نہیں کی جائے گی۔ بامقصد قبر کشائی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جب ہم طائف کی طرف نکلے تو ایک قبر کے پاس سے گزرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> هٰذَا قَبْرُ أَبِى رُغَالٍ وَ كَانَ بِهٰذَا الْحَرَمِ يَدْفَعُ عَنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ اَصَابَتْهُ النِّقْمَةُ الَّتِى اَصَابَتْ قَوْمُهُ بِهٰذَا الْمَكَانِ فَدُفِنَ فِيْهِ وَاٰيَةُ ذٰلِكَ أَنَّهُ دُفِنَ مَعَهُ غُصْنٌ مِنْ ذَهَبٍ إِنْ أَنْتُم نَبَشْتُم عَنْهُ أَصَبْتُمُوْهُ مَعَهُ
>
> یہ ابورُغال کی قبر ہے۔ وہ عذاب کے خوف سے حرم میں رہتا تھا۔ جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اس پر وہی عذاب آیا جو اس جگہ پر اس کی قوم پر عذاب آچکا تھا۔ وہ یہیں دفن کر دیا گیا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی قبر میں اس کے ساتھ سونے کی ایک سلاخ بھی دفن کر دی گئی تھی۔ اگر تم اس قبر کو کھودو گے تو اسے پالو گے۔
>
> یہ سن کر لوگ اس کی قبر کی طرف دوڑے اور اسے کھود کر وہ سلاخ نکال لی(۱۰۹)۔

ابورُغال کا نام زید بن مخلف تھا۔ وہ قوم ثمود سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا تعلق قوم حضرت لوط علیہ السلام سے تھا(۱۱۰)۔

حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے: غزوہ اُحد (۳ھ) میں ان کے شہید والد کے ساتھ قبر میں ایک دوسرا شخص بھی دفن کیا گیا۔حضرت جابرؓ نے ناگواری محسوس کی اور چھ ماہ کے بعد اپنے والد کو قبر سے نکالا اور ایک الگ قبر میں دفن کر دیا(۱۱۱)۔

اگر میّت کو غسل دیئے بغیر دفن کر دیا امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کی رائے ہے: **لا ينبش لأن النبش مثلة وقد نهى عنها**، قبر کشائی کر کے میّت کو نکالا نہیں جائے گا۔ایسا کرنا مُثلہ کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے(۱۱۲)۔ امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کہتے ہیں: **وإن دفن من غير غسل أو إلى غير القبلة نبش و غسل ووجه إلا أن يخاف عليه ان يتفسخ فيترك**، اگر میّت کو بغیر غسل کے اور بغیر قبلہ رُخ کیے دفن کر دیا گیا تو قبر کشائی کر کے میّت کو غسل دیا جائے گا اور اسے قبلہ رُخ لٹایا جائے گا۔لیکن اگر اندیشہ ہو کہ میّت سلامت نہیں ہے، تو پھر قبر کشائی نہ کی جائے۔اگر میّت پر نمازِ جنازہ ادا کیے بغیر اسے دفن کر دیا گیا تو امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کہتے ہیں: **يصلى على القبر ولا ينبش**، میّت کی قبر ہی پر نماز جنازہ ادا کر دی جائے لیکن قبر کشائی نہ کی جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسکینہؓ کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی تھی، قبر کشائی نہیں کی تھی۔امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۴ھ) کی رائے ہے: **ينبش و يصلى عليه**، قبر کشائی کر کے میّت پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔آپ کا ایک قول یہ بھی ہے: **إن صلى على القبر جاز**، اگر میّت کی قبر پر نماز جنازہ ادا کر دی گئی تو جائز ہے۔قبر پر نماز جنازہ کی ادائیگی ضرورت ہی کے تحت ہے۔لیکن اگر کسی واجب جیسے غسل، سے پہلے میّت کو دفن کر دیا گیا تو قبر کشائی کی جائے گی۔حضرت مسکینہؓ پر نمازِ جنازہ ادا کر دی گئی تھی اور ان پر نمازِ جنازہ ادا کرنا واجب نہیں تھا۔اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کشائی کا حکم نہیں دیا تھا۔البتہ اگر میّت میں تبدیلی رونما ہو چکی ہو تو پھر قبر کشائی کسی صورت میں نہیں کی جائے گی (۱۱۳)۔

یہ ہیں وہ چند اہم حقوق جو اسلام انسان کو عطا کرتا ہے۔انسان ان حقوق کو از خود حاصل نہیں کر سکتا۔ان کا حصول یقینی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کم از کم اپنے ورثاء کو ان کی تعلیم دینے اور انہیں آگاہ کرنے کی کوشش کرے۔انسان کے ورثاء، رشتہ دار اور دوست واحباب ہی کے ذریعہ سے ان بعد از وفات حقوق کا ملنا ممکن ہوتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) بغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد الفراء (م۵۱۰ھ)، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۸۔ ثعالبی، عبدالرحمٰن بن محمد مخلوف، الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات بیروت ۱/۱۲۰

(۲) بِئر مَعُونۃ کا وقعہ ۴ھ میں پیش آیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنوکلاب کے سردار ابو براء عامر بن مالک کی درخواست پر اس کی قوم کو اسلام کی تبلیغ ودعوت دینے کے لیے اکیالیس اور ایک روایت کے مطابق ستر صحابہؓ کی ایک جماعت کو بھیجا تھا۔اس جماعت نے بئر معونہ کے مقام پر پڑاؤ کیا تھا۔حضرت عمرو بن امیہؓ کے سوا باقی تمام صحابہؓ کو شہید کردیا گیا تھا۔تفصیل دیکھیں:ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ ۳/۱۹۳

(۳) قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد (م۶۷۱ھ)، الجامع لأحکام القران، دارالکاتب العربیۃ ۱۹۶۷م، انتشارات ناصرخسرو، طھران، ایران ۴/۲۶۸

(۴) آلوسی، شہاب الدین محمود بن عبداللہ (م۱۲۷۰ھ)،روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۵ھ ۱/۴۱۸

(۵) الجامع لأحکام القرآن ۴/۲۷۰

(۶) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (م۳۱۰ھ)، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ ۳/۲۱۴

(۷) أحکام القرآن ۱/۱۱۵

(۸) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید (م۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجه، اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور، ابواب ما جاء فی الجنائز و حقوق المسلم، باب النھی عن کسر عظام المیت ۱/۶۶۲

(۹) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک بن ہشام (م۲۱۳ھ)، السیرۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان ۳/۷۴

(۱۰) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م۲۷۹ھ)،جامع ترمذی، نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور، ابواب تفسیر القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، سورة النحل ۲/۴۲۲،۴۲۳]

(۱۱) السیرة النبویة ۷۹/۳

(۱۲) حوالہ بالا

(۱۳) مسلم بن حجاج (م۲۶۱ھ)، **صحیح مسلم**، نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء کتاب الجهاد و السیر، باب تامیر الإمام الأمراء علی البعوث و وصیته إیاها باداب الغزو و غیرها ۲/۵

(۱۴) کاسانی، ابوبکر بن مسعود بن احمد (م ۵۸۷ھ)، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، دارالکتاب العربی بیروت ۱۳۰/۵

(۱۵) سمرقندی، علاء الدین محمد بن احمد بن ابی احمد (م۵۳۹ھ)، **تحفة الفقهاء**، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴م ۳۴۵/۳

(۱۶) ابن قدامة، ابومحمد عبداللہ بن احمد (م۶۲۰ھ)، **المغنی**، مکتبة الریاض الحدیثة بالریاض ۵۵۱/۲

(۱۷) حوالہ بالا

(۱۸) جصاص، احمد بن علی ابوبکر الرازی (م ۳۷۰ھ)، **احکام القرآن**، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ ۳۷۱/۵

(۱۹) ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد (م۵۹۵ھ)، **بدایة المجتهد ونهایة المقتصد**، دارالفکر بیروت لبنان ۳۲۸/۲

(۲۰) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م۲۵۶ھ)، **صحیح بخاری**، مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور کتاب الدیات، باب من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین ۶۵۷/۲

(۲۱) حوالہ بالا

(۲۲) صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب اذا قتل بحجر او بعصا ۶۵۵/۲

(۲۳) صحیح مسلم، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر ...... ۳۰۲/۴، ۳۰۳

(۲۴) المغنی ۴۹۱/۱۱

(۲۵) بیہقی، احمد بن الحسن بن علی بن موسی (م۴۵۸ھ) **السنن الکبری**، مکتبة دارالباز مکة المکرّمة ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴م، کتاب الجنایات، باب النفر یقتلون الرجل ۴۱/۸

(۲۶) ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ(م ۲۳۵ھ)، **المصنف**، دارالقبلۃ، کتاب الدیات، باب الرجل یقتله النفر لا ط/ ۲۳۵

(۲۷) نيل الأوطار، كتاب الدماء، باب دية النفس واعظائها ومنافعها

(۲۸) بدائع الصنائع ۷/ ۲۸۶

(۲۹) بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۲/ ۳۲۰

(۳۰) مسلم، كتاب القسامة و المحاربين و القصاص و الديات، باب القسامة ۴/ ۲۹۳-۲۹۸

(۳۱) بدائع الصنائع ۷/ ۲۸۶

(۳۲) حوالہ بالا

(۳۳) حوالہ بالا

(۳۴) بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۲/ ۳۲۰

(۳۵) حوالہ بالا ۲/ ۳۲۱

(۳۶) بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۲

(۳۷) تحفة الفقهاء ۱/ ۲۳۹۔بدائع الصنائع ۱/ ۲۹۹

(۳۸) بدائع الصنائع ۱/ ۲۹۹

(۳۹) حوالہ بالا ۱/ ۳۰۰

(۴۰) صحیح بخاری، كتاب الجنائز، باب الكفن فی ثوبين ۱/ ۴۸۴

(۴۱) بدائع الصنائع ۱/ ۲۹۹،۳۰۰

(۴۲) المغنی ۲/ ۵۳۹۔بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۲

(۴۳) بدائع الصنائع ۱/ ۳۰۲

(۴۴) المغنی ۲/ ۵۳

(۴۵) بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۱/ ۱۸۲

(۴۶) السنن الكبرىٰ،جماع أبواب الغسل للجمعة والأعياد وغير ذلك، باب الغسل من غسل الميت ۱/ ۳۰۵

(۴۷) سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسله ۲/۴۹۹-۵۰۰

(۴۸) سنن ابن ماجه ، ابواب ما جاء فی الجنائز و حقوق المسلم، باب ما جاء فی غسل المیت ۱/۶۰۷

(۴۹) المغنی ۲/۲۵۲

(۵۰) حوالہ بالا ۲/۲۵۲

(۵۱) **ابوداؤد،سلیمان بن اشعث (م۲۷۵ھ)،سنن ابو داؤد،دارالاشاعت اردو بازار کراچی** ، کتاب الجنائز، باب تعجیل الجنازة ۲/۵۰۵

(۵۲) بدائع الصنائع ۱/۳۰۶

(۵۳) حوالہ بالا ۱/۳۰۹

(۵۴) المغنی ۲/۵۵۴

(۵۵) بدائع الصنائع ۱/۳۰۹

(۵۶) الموطا، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الإختفاء و هو النبش ص۲۰۱

(۵۷) أحکام القرآن ۴/۶۸۔الجامع لأحکام القرآن ۶/۱۶۴

(۵۸) **حوالہ جات بالا**

(۵۹) أحکام القرآن ۴/۶۸

(۶۰) تحفة الفقهاء ۱/۲۴۷

(۶۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز،باب إتباع الجنائز ۱/۴۷۷

(۶۲) **نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب(م۳۰۳ھ)، سنن نسائی، دارالاشاعت اردوبازار کراچی**، کتاب الجنائز، باب من صلی علیه مائة ۱/۶۰۸

(۶۳) **بهوتی،منصور بن یونس بن صلاح الدین بن محمد (م۱۰۵۱ھ)، کشاف القناع عن متن الاقناع، عالم الکتب بیروت۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳م** ۲/۱۲۳

(۶۴) **دارقطنی،علی بن عمر(م۳۸۵ھ)، سنن الدارقطنی، دارالمحاسن للطباعة القاهرة**، کتاب، باب صفة من تجوز الصلوة معه والصلوة علیه ۲/۵۷

(۶۵) المغنی ۲/۵۳۷

(۶۶) سنن إبن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی الصلوة على الطفل ۱/۶۲۲

(۶۷) بداية المجتهد و نهاية المقتصد ۱/۱۷۵

(۶۸) سنن ابن ماجه ، ابواب ما جاء فی الجنائز و حقوق المسلم، باب ما جاء فی الصلوة على الطفل ۱/۶۲۲

(۶۹) تحفة الفقهاء ۱/۲۴۸

(۷۰) المغنی ۲/۴۸۰

(۷۱) حوالہ بالا ۲/۴۸۰،۴۸۱

(۷۲) المغنی ۲/۴۷۲،۴۷۳

(۷۳) صحيح مسلم، كتاب الجنائز ۲/۳۸۳

(۷۴) سنن ابن ماجه ، ابواب ما جاء فی الجنائز و حقوق المسلم، باب ما جاء فی الاوقات التی لا يصلى فيها على الميت و لا يدفن ۱/۶۲۸

(۷۵) صحيح مسلم، كتاب الجنائز ۲/۳۸۳

(۷۶) حوالہ بالا ۲/۳۸۳

(۷۷) سنن ابن ماجه ، ابواب ما جاء فی الجنائز و حقوق المسلم، باب ما جاء فی حفر القبر ۱/۶۴۰

(۷۸) سنن النسائی، كتاب الجنائز، باب اللحد و الشق ۱/۶۱۱-۶۱۲

(۷۹) الهداية شرح بداية المبتدى ۱/۹۳۔بدائع الصنائع ۱/۳۱۸

(۸۰) بدائع الصنائع ۱/۳۱۸

(۸۱) حوالہ بالا ۱/۳۱۸

(۸۲) حوالہ بالا ۱/۳۱۹

(۸۳) المغنی ۲/۵۰۷

(۸۴) مسلم، كتاب الجنائز ۲/۳۹۸

(۸۵) جامع ترمذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی كراهية الوطی على القبور و الجلوس عليها ۱/۳۷۴-۳۷۵

(۸۶) الموطا، کتاب الجنائز، باب الوقوف للجنائز و الجلوس علی المقابر ص۱۹۷

(۸۷) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر ۱/۵۱۲

(۸۸) بدایة المجتهد و نهایة المقتصد، ۱/۱۹۵

(۸۹) الموطا، کتاب الجنائز، باب الوقوف للجنائز و الجلوس علی المقابر ص۱۹۷

(۹۰) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم انا بك لمحزونون ۱/۴۹۵

(۹۱) سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح ۲/۴۹۶

(۹۲) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب حد المراة علی غیر زوجها ۱/۴۸۷-۸۸۴

(۹۳) *حوالہ بالا*، کتاب الجنائز، باب ما یُنهی من سب الأموات ۱/۵۲۳

(۹۴) جامع ترمذی، ابواب الجنائز، باب آخر ۱/۳۶۴

(۹۵) صحیح مسلم، کتاب الجنائز ۲/۳۸۸

(۹۶) *حوالہ بالا*، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته ۴/۲۵۷

(۹۷) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب موت الفجاء ة بغتة ۱/۵۲۱

(۹۸) صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب وصول ثواب الصدقات إلی المیت ۴/۲۵۶

(۹۹) *حوالہ بالا*

(۱۰۰) *حوالہ بالا* ۴/۲۵۷

(۱۰۱) جامع الترمذی، ابواب الوصایا، باب ما جاء یبداء بالدین قبل الوصیة ۱/۵۴۷

(۱۰۲) *حوالہ بالا*، ابواب الجنائز، باب ما جآء ان نفس المومن معلقة بدینه حتی یقضی عنه ۱/۳۸۴

(۱۰۳) صحیح بخاری، کتاب الفرائض، قول النبی صلی الله علیه وسلم من ترك مالا فلأهله ۳/۶۰۵-۶۰۶

(۱۰۴) *حوالہ بالا*، کتاب الصیام، باب قضاء الصیام عن المیّت

(۱۰۵) الموطا، کتاب النذور، باب ما یجب من النذور فی المشی ص ۳۵۶

(۱۰۶) **سیواسی، کمال الدین محمد بن عبدالواحد حنفی (م۶۸۱ھ)، شرح فتح القدیر، دارالفکر بیروت لبنان** ۱/۱۳۱۔
کشاف القناء عن متن الإقناع ۱۵/۴۷۱

(۱۰۷) سنن إبن ماجه ، أبواب ما جاء فی الجنائز و حقوق المسلم، باب ما جاء فی الصلوة علی الطفل